قرآنی تعلیمات کی عقلی بنیادیں

ثاقب اکبر

قرآن حکیم کی دعوت کا رخ عقل انسانی کی طرف ہے۔ اس نے انسانی فکر کو اپیل کی ہے اور عقل کو حرکت میں آنے کی دعوت دی ہے۔ ذیل میں ہم اسی حوالے سے گفتگو کریں گے۔

قرآن حکیم کا مطالعہ یہ بتاتا ہے کہ بات خواہ کائنات سے متعلق ہو یا انسان سے' اخلاق سے متعلق ہو یا تاریخ سے' عقائد سے متعلق ہو یا احکام سے قرآن حکیم اسے عقل کے پیمانے پر پرکھتا ہے اور اسی معیار پر اسے قبول یا رد کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کے نزدیک اس کی تعلیمات کی سچائی کا انحصار عقل پر ہے اور ان کی سچائی کا پیمانہ عقل ہے۔

شاید یہ معلومات قارئین کی نظر میں مفید ہوں:

قرآن حکیم میں تقریباً" ستر مقامات پر حجیت عقل کی طرف اشارہ ہوا ہے یعنی عقل کو حق و باطل' سچ اور جھوٹ اور صحیح و غلط کے پرکھنے کے لئے کسوٹی قرار دیا گیا ہے۔

قرآن حکیم میں عقل کا مادہ انچاس مرتبہ استعمال ہوا ہے۔

قرآن حکیم میں "ف ق ہ" کا مادہ بھی استعمال ہوا ہے جو غور و فکر کرنے اور سمجھنے سوچنے کا معنی دیتا ہے۔

اٹھارہ مرتبہ قرآن پاک میں "فکر" کا مادہ استعمال ہوا ہے۔

غور و فکر ہی کے مفہوم میں "تدبر" کا مادہ اور کلمہ بھی قرآن شریف میں چار مرتبہ آیا ہے۔

یہ تو آیات کا ذکر ہے جہاں براہ راست عقل و فکر اور تدبر و تفقہ کے کلمات اور مادے استعمال ہوئے ہیں لیکن اگر آپ کھلی نگاہوں سے قرآن حکیم کا مطالعہ شروع کر دیں تو دیکھیں گے کہ مسلسل بالواسطہ یا بلا واسطہ عقل انسانی کو جھنجھوڑتا ہے اور فطرت انسانی کو دعوت بیداری دیتا ہے۔

قرآن حکیم میں فطرت انسانی کے الہٰی فطرت سے ہم آہنگ ہونے کا مسئلہ کچھ زیادہ گفتگو اور غور و فکر کا محتاج ہے۔ ہم اس حوالے سے یہاں پر مختصراً" صرف یہ عرض کرتے ہیں کہ قرآن کے بقول اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی فطرت پر پیدا کیا ہے:

* **فطرة اللّٰه التی فطر الناس علیها**

اللہ کی فطرت وہ ہے جس پر اس نے انسانوں کو پیدا کیا ہے۔ (۱)

پھر وہ اپنی تعلیمات اسی فطرت کے مطابق پیش کرتا ہے' اسی کو معیار بناتا ہے۔ اگر فطرت کا مفہوم واضح ہو جائے تو بہت سے انسانی اور دینی مسائل حل ہو جائیں گے کیونکہ ممکن نہیں کہ دین کی کوئی تعلیم یا کوئی حکم اس فطرت کے مخالف ہو۔

عقل کو اپنی تعلیمات کا جس طرح قرآن نے معیار بنایا ہے' اسے واضح کرنے کے لئے ذیل میں چند ایک مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

ارشاد الہٰی ہے:

* **ان شر الدواب عند اللّٰه الصم البکم الذین لا یعقلون**

چلنے پھرنے والوں میں سے سب سے برے وہ گونگے اور بہرے ہیں جو عقل سے کام نہیں لیتے (۲)

اس آیت کریمہ میں گہرا غور و فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ "دواب" جمع ہے "دابہ" کی۔ ہر حرکت کرنے والے' جنبش کرنے والے اور چلنے پھرنے والے کو دابہ کہتے ہیں۔ گویا سب حیوان اس کے مفہوم میں شامل ہیں۔ اب ذرا غور کیجئے گدھے کے بھی کان ہوتے ہیں بلکہ گھوڑے سے بھی بڑے ہوتے ہیں۔ ہاتھی کے بھی بہت بڑے بڑے کان ہوتے ہیں۔ بہت چھوٹے چھوٹے جانور بھی سننے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس آیت میں کیا ان کانوں سے بہروں کا ذکر ہے؟ اسی طرح گونگوں کا بھی مسئلہ ہے۔ چرندوں اور پرندوں کے منہ سے بھی آواز نکلتی ہے۔ چڑیوں کے چہچہوں اور

اور کوئل کی کوکو کا ذکر آپ نے بہت سنا ہو گا بلکہ یہ صدائیں آپ نے بھی سنی ہوں گی۔ بلبل اور پپیہے کے نغموں کے بہت تذکرے ہوتے ہیں۔ کیا اس نغمہ' آواز سے محروم کو یہاں گونگا کہا گیا ہے؟ نہیں بلکہ "**الذین لا یعقلون**" وہ لوگ جو عقل سے کام نہیں لیتے' یہاں ان کا ذکر ہے۔ سوال یہ ہے کہ ایسے انسانوں کو بدترین کیوں کہا گیا ہے حالانکہ گدھا تو عقل ہی سے محروم ہے۔ اسے بدترین کیوں نہیں کہا گیا؟ درحقیقت جسے عقل کی نعمت سے نوازا گیا ہے لیکن وہ اس سے کام نہیں لیتا' اسے بدترین کہنا ہی چاہیے۔ گدھے کو کبھی کسی نے کہا ہے کہ تم بڑے بے وقوف ہو' عقل سے کام نہیں لیتے ہو؟ اسے یہ بات اس لئے نہیں کہی جا سکتی کہ اس کے پاس عقل ہی نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عقل سے کام نہ لینے والا انسان گدھے سے بدتر ہے۔

قرآن دلیل دیتا ہے اور دلیل مانگتا ہے:

عقل و فکر کی بنیاد پر استوار ہونے کی ایک دلیل یہ ہے کہ قرآن حکیم اپنا نقطہ نظر پیش کرتے ہوئے بھی دلیل و منطق کو بنیاد بناتا ہے اور دوسروں سے بات کرتے ہوئے ان کے نظریے کی دلیل مانگتا ہے۔ اس سے جہاں قرآن کی دائمی و آفاقی سچائی کا پہلو آشکار ہوتا ہے وہاں اس کی تعلیمات کی بنیاد عقلی ہونے پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ مثلاً" اپنے مخالفین کو رسول اللہ کے توسط سے کہتا ہے:

- **قل ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین**

کہو اگر تم سچے ہو تو اپنی دلیل و برھان پیش کرو۔ (۳)

ظاہر ہے یہ رویہ اسی کا ہو سکتا ہے جو خود دلیل و برھان کے پیمانے کو قبول کرتا ہے اور جسے اپنے نقطہ نظر کے منطقی اور استدلالی ہونے پر اعتماد ہو۔

احکام کا منطقی و بامقصد ہونا:

قرآن مجید نے اپنے خصوصی احکام کے لیے بھی دلیل' مقصد اور ہدف کو بیان کیا ہے۔ قرآن کا اس سلسلے میں رویہ ان مقتدر بادشاہوں کا سا نہیں جو حکم دینے کے بعد کیوں ؟ کس لئے؟ کے الفاظ سننے کا حوصلہ نہیں رکھتے اور چاہتے ہیں کہ ان کے حکم پر آنکھیں بند کر کے عمل کیا جائے۔ مثلاً" قرآن حکیم میں بہت سے مقامات پر نماز قائم کرنے کا حکم دیا گیا ہے لیکن صرف حکم پر اکتفاء نہیں کیا گیا بلکہ اس کے مقاصد بھی بیان کئے گئے ہیں۔ مثلاً" ارشاد ہوتا ہے:

- **ان الصلوٰۃ تنھٰی عن الفحشاء والمنکر**

یقیناً" نماز فحش کاموں اور نا فرمانیوں سے بچاتی ہے ۔ (۴)

اگر چہ ایسی آیات میں براہ راست عقل کا لفظ استعمال نہیں ہوا لیکن عقل کی کارفرمائی ان میں پوری طرح روشن ہے۔ گویا یہاں دلیل پیش کر رہا ہے اور کہ رہا ہے کہ اے انسانو اور اے ایمان والو! ہم نے جو تمہیں بار بار نماز کا حکم دیا ہے تو اس کی کوئی وجہ ہے' کوئی عقلی بنیاد ہے اور یہ خود تمہارے مفاد میں ہے ۔ یہ تمہیں ہی گناہوں سے بچاتی ہے' غیر انسانی کاموں سے تمہیں محفوظ کرتی ہے۔

روزوں کا حکم دیتے ہوئے فرمایا ہے :

* **یا ایھاالنین آمنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی النین من قبلکم لعلکم تتقون**

اے ایمان والو! جیسے پہلوں پر فرض کئے گئے تھے تم پر بھی روزے فرض کئے گئے ہیں تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔ (۵)

یہاں پر بھی بے دلیل شہنشاہی حکم نہیں بلکہ با دلیل الٰہی حکم ہے۔ روزوں کا مقصد یہ ہے کہ تم پرہیزگار ہو جاؤ' تم متقی بن جاؤ۔ جب حلال چیزوں کو حکم خدا پر کچھ عرصے کے لئے چھوڑنے پر آمادہ ہو جاؤ گے تو حرام سے پرہیز کرنے کا شعور خود بخود اجاگر ہو گا۔ جب خدا کی خاطر بھوک پیاس سہنے کے عادی ہو جاؤ گے تو شاید کسی غیر خدا سے بھوک مٹانے کے لئے اپنے نفس کا سودا کرنے سے بچ جاؤ۔

بحث کا ایک نیا باب :

احکام کا مقصد بیان کرنے اور ان کے ہدف دار اور علت دار ہونے سے بحث کا ایک نیا باب کھلتا ہے جو زیر نظر موضوع سے متعلق تو نہیں تاہم ہم کچھ اشارہ کر دینا مفید سمجھتے ہیں۔

اس گفتگو میں یہ امر بھی قابل توجہ ہے کہ ہر حکم کے پس منظر میں کوئی فلسفہ' وجہ اور سبب کار فرما ہے۔ اگر انسان اس پر نظر رکھتے ہوئے احکام اسلامی کو سمجھے اور اختیار کرے تو ایک فائدہ یہ ہو گا کہ کام انجام دیتے ہوئے اصل مقصد ملحوظ نظر رہے گا۔ مثلاً" ابھی بیان ہوا ہے کہ نماز برے کاموں سے بچاتی ہے۔ اب آپ اپنا جائزہ لے سکتے ہیں اگر آپ نماز پڑھتے ہیں اور برے کاموں سے بچتے ہیں تو درست ہے لیکن اگر برے کاموں سے نہیں بچتے تو پڑھ کر بھی نماز نہیں پڑھتے۔ دوسرا فائدہ اور دوسرا نکتہ ہم محققین کے لئے عرض کرتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ احکام کے استنباط کے عمل میں عقل انسانی اگر حکم کے مقصد تک پہنچ جائے تو بہت مدد ملے گی' کئی آفاق روشن ہو جائیں گے اور شاید جو استنباط

حکم کے مسئلے میں بہت سے اختلافات ظہور میں آتے ہیں' ان سے ہم بچ جائیں یا کم از کم فرعی اختلافات کا چھوٹا ہونا' مقصد کے پیش نظر ہم پر زیادہ روشن ہو جائے۔

آباء کی پیروی --- آخر کس دلیل پر؟

قرآن حکیم بعض مقامات پر اپنے نہ ماننے والوں کی دلیل کی کمزوری اور بنیاد کی ناپائیداری کی طرف بھی متوجہ کرتا ہے۔ اس سلسلے میں آباء واجداد کی اندھی تقلید کی تو بہت مرتبہ مذمت کی گئی ہے اور اس کے بوداپن کی طرف توجہ دلائی گئی۔ ایک آیت ملاحظہ ہو:

* **واذا قیل لھم اتبعوا ما انزل اللہ قالوا نتبع ما الفینا علیہ آباونا ولو کان آباء ھم لا یعقلون شیئا ولا یھتدون**

جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس کی پیروی کرو جو اللہ نے نازل کیا ہے تو کہتے ہیں کہ ہم تو اس پر چلیں گے جس پر ہم نے اپنے آباء کو پایا اگرچہ ان کے بڑے کسی چیز کی بھی سوجھ بوجھ نہ رکھتے ہوں اور نہ ہدایت پر ہوں۔ (٦)

اس سے واضح ہو گیا کہ اسلام کو یہ پسند نہیں کہ آپ اپنے آباء یا اپنی پسند کے کسی فرد کے کام کو ہی بس اپنے لئے دلیل عمل قرار دے لیں۔

آیات الٰہی پر بھی اندھے ہو کر نہ گر پڑیں:

شاید آپ کو یہ جان کر حیرت ہو کہ قرآن تو اس کی بھی اجازت نہیں دیتا کہ آپ آنکھیں بند کر کے آیات الٰہی پر گر پڑیں۔ قرآن خود اپنی بھی اندھی تقلید کو جائز نہیں گردانتا قرآن تو بصیرانہ پیروی کی دعوت دیتا ہے۔ وہ تو علی وجہ البصیرت (٧) قدم اٹھانے کا حکم دیتا ہے۔

سورہ فرقان کی ایک آیت اس سلسلے میں بہت اہمیت رکھتی ہے۔ اس کی آخری آیات میں "عباد الرحمن" کی خصوصیات بیان کی گئی ہیں۔ ان میں سے ایک خصوصیت یہ ہے:

* **والذین اذا ذکروا بایات ربھم لم یخروا علیھا صما و عمیانا**

یہ (عباد الرحمن) وہ لوگ ہیں کہ جب انہیں ان کے رب کی آیات کی طرف متوجہ کیا جاتا ہے تو گونگے اور اندھے ہو کر ان پر نہیں گر پڑتے۔ (٨)

گویا اجازت نہیں کہ آیات الٰہی پر بہرے اور اندھے ہو کر گر پڑیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی آیات آنکھیں کھولنے کے لئے ہیں۔ کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ کہے کہ یہ اللہ کا حکم ہے لہٰذا آنکھیں بند کر کے

اس پر گر پڑو۔ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ آنکھیں کھولو' غور و فکر کرو' قرآن تو دعوت تفکر و تدبر دیتا ہے۔ اللہ کے ہر حکم میں حکمت تلاش کرو' مقصد کی جستجو کرو اور پھر عمل کرتے ہوئے اندھا دھند قدم نہ اٹھاؤ بلکہ اس حکمت کی روشنی میں آگے بڑھو اور اس مقصد کو پیش نظر رکھو۔ ہاں یہ امر پیش نظر رہے کہ ''آیات رب'' سے یہاں مراد فقط قرآنی آیات نہیں۔ بلکہ ساری کائنات میں بکھری ہوئی اللہ کی نشانیاں' اس کے وجود کی علامتیں' اس کے راستے کی راہنمائی کرنے والے سنگ میل' سب اس میں شامل ہیں۔

قرآنی حروف کی گنتی اور ثواب کا حساب:

ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہم نے آج تک یہی سنا ہے کہ اگر ہم نے الف' لام اور میم اپنی زبان سے ادا کر دیا تو ہماری تمیں نیکیاں ہو گئیں۔ اس کے لئے احادیث بھی جب پڑھ کر سنا دی گئیں تو بس پھر کیا تھا؟ حروف گنے اور انہیں دس سے ضرب دی اور ثواب کا بینک بیلنس دیکھ کر خوش ہو گئے ۔ ہم تو قرآن کی آیات پر بھی آنکھیں بند کر کے گرے ہوئے تھے' اب روایات بھی ہماری مدد کو آ گئیں۔ ہمیں اور بھی تھپکیاں مل گئیں اور لوریاں سنائی دینے لگیں۔ ضرورت تو اس بات کی تھی کہ آیات و روایات کو ہم آنکھیں کھول کر دیکھتے۔ ان کا مقصود و مطلوب سمجھنے کی کوشش کرتے۔

اس مسئلے کو واضح کرنے کے لئے ہم ایک مثال عرض کرتے ہیں:

آپ مجھ سے پوچھیں: کیا آپ نے فلاں کتاب پڑھی ہوئی ہے؟

میں کہوں: جی ہاں!

آپ پوچھیں: اس میں مذکور فلاں نظریے کے بارے میں آپ کی رائے کیا ہے؟

میں کہوں: جناب یہ کتاب میں نے پڑھی تو ہوئی ہے' سمجھی نہیں ہوئی۔

تو کیا آپ نہیں کہیں گے: کیسا عجیب آدمی ہے۔

کیا کتاب پڑھنے کا مطلب ہجے کر کے' حروف کو جوڑ کر پڑھنا ہے؟ ہرگز نہیں پڑھنے کا مطلب حتی المقدور سمجھ کر پڑھنا ہے تو پھر یہ قرآن بے چارہ اتنا مظلوم کیوں ہے ؟ صرف اسی پر پڑھنے کا اطلاق بے سمجھے پڑھنے پر کیوں ہوتا ہے؟ شاید یہ دنیا کی واحد ایسی کتاب ہے اور سب سے مظلوم بھی کہ جس کا آپ ایک لفظ بھی نہ سمجھے ہوں پھر بھی دعویٰ کر سکتے کہ میں نے قرآن پڑھ رکھا ہے۔ گویا ہم نے رسول اللہؐ کے ساتھ ایسی بات باندھ دی ہے جو انہوں نے نہیں فرمائی۔

ہم نے ثواب کا بھی معنی نہیں سمجھا' ہم نے حسنہ اور نیکی کا مفہوم بھی نہیں سمجھا۔ روایات یہ کہنا چاہتی ہیں کہ قرآن کے ایک ایک حرف سے تمہاری فکر' فضیلت اور بصیرت کے دس دس درجے بلند ہوں گے۔ اس کا حرف حرف تمہارے لئے حسنات اور بھلائیوں کے دروازے کھول دے گا۔ تمہیں ثواب ہوگا۔ یعنی اسے پڑھو کہ اس کے پڑھنے سے تمہیں فائدہ حاصل ہوگا۔

قرآن کی ایک عجیب آیت:

قرآن حکیم میں ایک عجیب و غریب آیت ہے۔ انسان اس پر غور و فکر کرے تو کانپ اٹھتا ہے اور اللہ کے حضور اپنی موجودگی کو عجیب حالت میں پاتا ہے۔ آیت یوں ہے:

* **ومن کان فی ھذہ اعمی فھو فی الاخرۃ اعمی واضل سبیلا**

جو اس زندگی میں اندھا ہے وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا بلکہ اور بھی بھٹکا ہوا۔ (۹)

گویا جو اس دنیا میں اندھے ہیں آخرت میں اندھے ہی محشور ہوں گے۔ بصیرت سے محروم' دانائی سے محروم' معرفت الٰہی سے محروم' شناخت انسانی سے محروم سب اندھے ہیں۔ یہ سب اندھے اٹھائے جائیں گے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ جن کے ماتھے کے نیچے کی آنکھیں نہیں دیکھتیں وہ اندھے اٹھائے جائیں۔ ان میں سے تو بہت سے عارف باللہ گزرے ہیں۔ ان میں سے تو بہت سوں کو رسول اللہ اور اولیاء اللہ کی صحبتیں اور ان کا فیضان نصیب ہوا ہے' کیا وہ سب اندھے محشور ہوں گے اور نمرود' شداد اور فرعون آنکھوں والے محشور ہوں گے؟ نہیں ہرگز نہیں۔ نبی پاکؐ کے صحابی ام مکتوم جو نابینا تھے ان کی پاک دلی کا ذکر تو خود خدا تعالٰی نے کیا ہے۔ چہرے پر سجی آنکھیں تو جانوروں کے پاس بھی ہیں۔ یہاں اس امر کی طرف متوجہ کیا جا رہا ہے کہ جو بینائی' بصیرت اور دانائی یہاں میسر نہیں' آخرت میں بھی نصیب ہونے کا امکان نہیں۔ لہٰذا انسان کو تمنا کرنی چاہیے اور کوشش کرنی چاہیے کہ آنکھوں کے سامنے جو پردے پڑے ہیں وہ ہٹ جائیں۔

علت و معلول کا اصول:

قرآنی تعلیمات کی عقلی بنیادوں پر گفتگو کرتے ہوئے ہمیں یہ بھی ملحوظ نظر رکھنا چاہیے کہ قرآن علت و معلول اور سبب و مسبب کے اصول کو تسلیم کرتا ہے۔ مثلاً ارشاد فرماتا ہے:

* **ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسھم**

اللہ کسی قوم کی حالت اس وقت تک تبدیل نہیں کرتا جب تک وہ خود اپنی حالت کو

نہ بدلے۔ (۱۰)

مراد یہ ہے کہ اچھا عمل کرو گے تو اللہ کے قانون کے مطابق اچھا نتیجہ پاو گے۔ اللہ کے قانون اور اللہ کی سنتیں اس کائنات کی سانسوں میں رواں دواں ہیں۔ یہ قانون الٰہی ہے کہ قومیں اگر اپنی حالت کو تبدیل کرنے کے لئے اٹھ کھڑی ہوں گی اور جدو جہد کریں گی تو تبدیلی عمل میں آئے گی۔ فقط آرزو کرنے اور بیٹھ رہنے سے نتیجہ مرتب نہیں ہوگا۔

اعتماد بر عقل:

بعض مقامات پر قرآن حکیم نے مستقیماً" کوئی حکم دینے کے بجائے عقل انسانی سے پوچھا ہے کہ بتاؤ اس مسئلے میں کیا حکم ہونا چاہیے؟ بس جو حکم عقل کا ہے وہی حکم اللہ کا ہے۔ مثلاً" فرماتا ہے:

* **ھل جزاء الاحسان الا الاحسان**

کیا نیکی کا بدلہ نیکی کے سوا کچھ ہے؟۔ (۱۱)

یہاں نہیں فرمایا کہ نیکی کا بدلہ نیکی ہے' بھلائی کے جواب میں بھلائی کیا کرو بلکہ انسانی عقل پر اعتماد کا اظہار کرتا ہے کہ بتاؤ نیکی کا بدلہ نیکی کے سوا کچھ ہے؟ یعنی کسی کے کہنے کی کیا ضرورت ہے یہ تو عقل انسانی پر روز روشن کی طرح واضح ہے۔

حسن و قبح عقلی یا شرعی:

یہیں سے ایک اور بحث کی طرف راستہ کھلتا ہے اور وہ ہے احکام کے بارے میں حسن و قبح عقلی یا شرعی کی بحث قدیم ایام میں علمائے اسلام کے مابین اس بحث کا بازار گرم رہا ہے۔ ہم یہاں پر صرف اشارہ کرنے پر اکتفا کریں گے۔ بحث یہ ہے کہ کسی چیز کو اچھا یا برا قرار دینے کا معیار کیا ہے؟ کسی چیز میں حسن ہوتا ہے یا قبح ہوتا ہے' عقل اس کے حسن یا قبح کی نشاندھی یا تائید کرتی ہے اور پھر شریعت بھی کہتی ہے کہ یہ چیز اچھی ہے یا بری ہے۔ یا پھر ایسا نہیں شریعت کسی چیز کو اچھا کہے تو وہ چیز اچھی ہو جاتی ہے اور برا کہہ دے تو بری قرار پاتی ہے۔ ضروری نہیں کہ عقل بھی اچھا یا برا قرار دے۔ مثلاً" قمار بازی کیا عقلاً" بری تھی' قبیح تھی اسی لئے شریعت نے بھی اسے برا کہہ دیا ہے یا پھر برائی اور قباحت اس میں شریعت کے کہنے سے پیدا ہوگئی ہے۔ اس سلسلے میں علماء میں دو سر سخت مخالف گروہ رہے ہیں۔ اسی طرح مثلاً" شریعت نے کہا ہے کہ شراب نہ پیو اسے **"رجس من عمل الشیطان"** قرار دیا ہے۔ اب کیا یہ شراب قرآن کے کہنے سے رجس ہوگی یا رجس تھی اور قرآن

نے بتایا ہے۔ دیگر مخلوقات پر انسانی امتیاز اور ضرورت کے دلائل کو ملحوظ رکھا جائے اور یہ دیکھا جائے کہ دین کے ہر حکم کا مقصد انسان کو سعادت و کمال سے ہمکنار کرنا ہے تو احکام میں حسن و قبح عقلی کے نظریے کی تائید کے سوا چارہ نہیں رہتا۔ البتہ اس میں کوئی شک نہیں کہ جب اللہ کا نبی آکر اپنے عظیم خلق و کردار کا مظاہرہ کرتے ہوئے حکم دیتا ہے تو حکم عقل کو بہت تقویت حاصل ہو جاتی ہے اور اس کے ساتھ ایک ایمانی کیفیت جمع ہو جاتی ہے لیکن اللہ کا کہنا' نبی کا کہنا در حقیقت انسانی عقل و فطرت ہی کی تائید ہے۔ یہاں اس امر کی طرف اشارہ ضروری ہے کہ عقل بحیثیت عقل مطلق زیر بحث ہے۔

انبیاء عقلی خزینوں کو نکالتے ہیں:

اس سلسلے میں امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام کا ایک بہت خوبصورت قول ہے۔ آپؑ فرماتے ہیں:

- **فبعث فیھم رسلہ و واتر الیھم انبیاء ہ لیستادوھم میثاق فطرتہ وینکروھم منسی نعمتہ و یحتجوا علیھم بالتبلیغ و یثیروا لھم دفائن العقول ویروھم الایات المقدرۃ...**

  پس اللہ نے ان میں اپنے رسول مبعوث کئے اور لگاتار انبیا بھیجے تاکہ ان سے فطرت کے عہد و پیمان پورے کروائیں اس کی بھولی ہوئی نعمتیں یاد دلائیں' پیغام ربانی پہنچا کر حجت تمام کر دیں' عقل کے دفینوں کو ابھاریں اور انہیں قدرت کی نشانیاں دکھائیں ...(۱۲)

غور کیجئے رسول اللہؐ کے شاگرد رشید نے بعثت انبیاء کا مقصد کیا سمجھا ہے۔ فرما رہے ہیں کہ فطرت انسانی میں پہلے سے موجود میثاق کو پورا کروانے کے لئے انبیاء آئے ہیں۔ جو نعمتیں انسان بھول جاتے ہیں انبیا انہیں یاد دلاتے ہیں۔ یاد وہی چیز دلائی جاتی ہے جو لاشعور کے نہاں خانے میں کہیں چھپی ہو' پردے میں چلی گئی ہو۔ عقل کے خزینوں اور دفینوں کو ابھارنے کا مطلب بھی یہی ہے کہ خود انسان کے اندر جو خزانے مخفی ہیں' صلاحیتیں خوابیدہ ہیں' جو کمالات پنہاں ہیں انہیں ابھارنے کے لئے انبیاء تشریف لاتے ہیں۔

اگر نبی کہتے ہیں کمزوروں اور ضعیفوں کی مدد کرو' ہمسایوں کے دکھ سکھ میں شریک ہو' غیر اللہ کی غلامی سے نجات پاؤ' اپنے نفس کو جنت سے کم قیمت پر نہ بیچو' قطع رحمی نہ کرو' جھوٹ نہ بولو' ظلم نہ

کرو، عدل قائم کرو، اپنے جسم کے ساتھ ساتھ سوچ کو بھی پاک کرو--- تو اس میں کونسی چیز ایسی ہے کہ انسانی فطرت و عقل جس کی تائید نہیں کرتی۔

رہ گئیں بعض ایسی باتیں جو قرآن حکیم یا نبی کریم سے ثابت ہوں اور بعض لوگوں یا بہت سے انسانوں کو ان کی حکمت سمجھ نہ آتی ہو تو دین کی کلیات کی حکمت روشن ہو جانے کے بعد اور قرآن کی تعلیم اور رسول کی زندگی حکیمانہ اصولوں پر استوار ثابت ہوجانے کے بعد ہر فرد کے لئے ہر بات کی حکمت ثابت ہونا کب ضروری رہ جاتا ہے۔

❁✸❁

مصادر

۱۔ روم۔ ۳۰ — ۲۔ انفال، ۲۲

۳۔ بقرہ، ۱۱۱ — ۴۔ عنکبوت، ۴۵

۵۔ بقرہ، ۱۸۳ — ۶۔ بقرہ، ۱۷۰

۷۔ قرآن حکیم میں ارشاد الٰہی ہے : **قل هذا سبیلی ادعوا الی اللّٰه علی بصیرة...**

کہیے : یہ میرا راستہ ہے میں اللہ کی طرف علی وجہ البصیرت دعوت دیتا ہوں ...(بقرہ، ۱۰۸

۸۔ فرقان، ۷۳ — ۹۔ بنی اسرائیل، ۲۷

۱۰۔ رعد، ۱۱ — ۱۱۔ الرحمٰن، ۶۰

۱۲۔ نہج البلاغہ، خطبہ نمبرا

❁✸❁